امن کی سیاست میں خواتین کا کردار

تالیف: پاولا بینرجی

ترجمہ: اعزاز باقر

MashalBooks.org

امن کی سیاست میں خواتین کا کردار

تالیف: پاولا بینرجی

ترجمہ: اعزاز باقر

مشعل بکس

آر-بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور-54600، پاکستان

MashalBooks.org

امن کی سیاست میں خواتین کا کردار

تالیف: پاولا بینرجی
اُردو ترجمہ: اعزاز باقر

کاپی رائٹ اردو © 2013 مشعل بکس

کاپی رائٹ ©2008 مہانیر بن کلکتہ ریسرچ گروپ (MCRG)

ناشر: مشعل بکس
آر-بی-5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور-54600، پاکستان

فون و فیکس: 042-35866859
Email: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

پرنٹرز: بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

قیمت: -/540 روپے

MashalBooks.org

فہرست

پیش لفظ ——— 5

حصّہ اوّل: تصورات ونظریات

تعارف

سمیرا کمار داس ——— 19

تحفظ، صنفی مسائل اور تصادم کی روک تھام:

جنوبی ایشیائی فہم وادراک (سموناداس گپتا) ——— 26

جب مائیں احتجاج کرتی ہیں تو نسلی رقومیتی رنگ اور جمہوریت

باہم مل جاتے ہیں (سمیر کمار داس) ——— 63

مزید تاثرات (پس نوشت)

ستری شکتی سنگھانانا ——— 77

اسلام، حقوقِ نسواں، اور پاکستان میں تحریک خواتین ۱۹۸۱ تا ۱۹۹۱

فوزیہ گردیزی ——— 100

خواتین، قوم پرستی اور جنگ: ''جنگ نہیں محبت''

رادا آئیوسووِک ——— 117

حصّہ دوئم: تحریکیں

تعارف (کالیانہ کناپیرن) ——— 141

امن کے لئے گفت وشنید: نسوانی فکریں ——— 147

حقوق نسواں کے حامیوں کا ردعمل —— 163
کالیانہ کنابیرن، وولگا اور وسنتھا کنابیرن
درمیانی خلاء: خواتین کا جمہوریت کے ساتھ مکالمہ (پالا بنرجی) —— 179

حصّہ سوئم: اظہارِ رائے

تعارف (انورادھا بھاشن جموال) —— 217
مزید خون مت بہاؤ: مائیں امن کے لئے امتیازی قوانین کے خلاف
ڈبلیو اے ایف (WAF) کا احتجاج جاری رہے گا —— 226
حدیں کھینچنا، حدیں مٹانا: بیگانہ خونی اور علیحدگی پسندی کے خلاف
نسوانی تحریک بطور وسیلہ/تدبیر (سنتھیا کاک برن) —— 229
ڈاکٹر حنان اشروی سے گفتگو (ادیتی بھادوری) —— 249

MashalBooks.org

پیش لفظ

اس کتاب میں یہ مفروضہ/نظریہ اجاگر کیا گیا ہے کہ امن کی سیاست میں خواتین کا کردار نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب تلاش کریں کہ اس کی سیاست میں خواتین کے موضوع کو احاطۂ نگاہ میں لانے کی کیا ضرورت ہے، ہمیں اس امر کا تعین کرنا پڑے گا کہ امن کی اصل تعریف کیا ہے۔ امن کوئی اتنی حساس یا غیر معمولی اہمیت کی حامل اصطلاح/تصور نہیں ہے کہ اس کی ایک اپنی علیحدہ تاریخ مرتب کی جائے۔ جب تھیوسی ڈائڈز (Thucidides) نے امن کے موضوع پر قلم اٹھایا تو وہ پیلو پونیزین (Peloponesian) جنگ کی طوالت سے پیدا ہونے والی تکلیف دہ اکتاہٹ کے احساس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ یہ کوئی خلافِ معمول بات نہیں ہے: جب کبھی بھی امن کی تاریخ لکھنے کے عمل کا آغاز ہوتا ہے تو اس میں تقریباً ہمیشہ جنگ اور امن دونوں عوامل کو مدّنظر رکھا جاتا ہے۔ جنگ کے عنصر کو نظر انداز کر کے امن کی تاریخ رقم کرنے کے لئے لکھاری کو مکالموں، مشوروں اور مباحثوں کی تاریخ سے مواد اخذ کرنا پڑتا ہے۔ امن میں ایسی کیا خصوصیت ہے جو خود اپنی تاریخ کی نفی کرتی ہے؟ اس معمے کو حل کرنے کے لئے ہمیں ان کے حوالے سے تسلیم شدہ یا مرّوج علمی مباحثوں یا نظریات کا جائزہ لینا ہوگا۔ امن کے حوالے سے کانٹ (Kant) کی منطق اور کانٹ کے وہ مافوق الفطرت عزائم یا ارادے جو کئی برسوں تک امن کے موضوع پر ہونے والے مباحثوں یا نظریات کا رُخ متعین کرتے رہے ہیں، اس کا ربط بڑی سختی سے جنگ کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم عصر لکھاری افراد بھی ناگزیر طور پر امن کا موازنہ تشدد کے ساتھ کرتے رہے ہیں جیسا کہ اس موضوع پر ایک حالیہ مقالے بہ عنوان

MashalBooks.org

وائلنس اینڈ پیس: فرام اٹامک بم ٹو ایتھنک کلنگ'' (تشدد اور امن: ایٹم بم سے لے کر نسل کشی تک) کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے۔ ہم ایک بار پھر اسی دوہُرخی عنصر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تاہم ناقدانہ نظریات کا تجزیہ کرنے والے ماہرین میں سے خواتین دانش وروں کی کوشش یہ رہی ہے کہ وہ اس مسئلے کی دوہُرخی نوعیت سے پہلوتہی کریں۔ بٹی ایئرڈن کے نزدیک امن ''مخصوص قسم کی سیاسی، اقتصادی، اور سماجی تبدیلیوں کا ایک ایسا پیچیدہ مرکب ہے جو کسی نہ کسی حد تک دنیا کو انصاف سے قریب تر کر دیتی ہیں۔(Reardon 1993:4) مفکّر اور خود کو ماں تسلیم کرنے والی سارہ روڈِک کے نزدیک امن کی سیاست پیچیدہ، مثالی، اور عملی سرگرمیوں کا ایک ایسا جزو ہے جس میں ماؤں کا کردار شامل ہوتا ہے۔(Ruddick, 1989)۔ تاہم ان میں سے کوئی بھی دانش ور اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ جنگ یا تشدد کی سرگرمیاں امن کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ اگر ایسا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سرگرمیاں امن یا اس کے عالمگیر پہلوؤں کے حوالے سے برتر علمی مباحثوں کی حیثیت رکھتی ہیں تو اس امر کا کھوج لگانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ امن کے مقامی پہلوؤں کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے اور آیا ان کو پیش نظر رکھ کر ہم امن کے تصوّر کا بہتر فہم حاصل کر سکتے ہیں۔ امن کی سیاست کا بہتر فہم حاصل کرنے کے لئے ہمیں شاید امن قائم کرنے کے عمل پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تحریک نسواں کی بہت سی تجزیہ کار خواتین اس امر پر متفق ہیں کہ امن کو دیگر عوامل سے علیحدہ کر کے بالکل انفرادی حیثیت میں زیر غور لانا ایک آسان مگر بے سود عمل ہے۔ میرا اپنا تجربہ بھی یہی کہتا ہے کہ امن کی کوئی حتمی یا فیصلہ کن تعریف نہیں کی جا سکتی۔ چند برس پہلے میں نے شمال مشرقی ہندوستان کے ایک فساد زدہ علاقے کی لڑکی سے پوچھا کہ اس کے نزدیک امن کا مفہوم کیا ہے۔ مجھے انتہائی حیران و پریشان نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ بولی ''غالباً جب اردگرد بندوق کی گولی کی کوئی آواز سنائی نہ دے تو امن ہوتا ہے۔'' وہ جس علاقے سے آئی تھی وہ پچاس برس سے زیادہ ایک مسلح تصادم کی زد میں رہا ہے۔ لبریشن ٹائیگرز آف تامل ایلام(LTTE) اور ریاست سری لنکا کے درمیان 2001ء کے بعد ہونے والی جنگ بندی کے بعد میں نے شمال مشرقی سری لنکا میں ایک نوجوان ماں سے یہی سوال کیا تو اس کا جواب تھا کہ امن کا مطلب ہے بچوں کے لئے زیادہ خوراک۔ اس جواب سے ملتے جلتے بہت سے ایسے جواب ہیں جن کو یہاں شامل کیا جا سکتا تھا، مگر اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ ان جوابات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ امن کی کوئی ایک

MashalBooks.org

مخصوص تعریف نہیں کی جاسکتی۔ امن کا مفہوم اس علاقے کے حساب سے مختلف ہوجاتا ہے جہاں سے یہ احاطہ تصور میں لایا جاتا ہے کیونکہ امن اپنی بہترین شکل میں عام طور پر تصوراتی ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کتاب میں امن کے ان پہلوؤں پر غور کیا گیا ہے جو جنوبی ایشیاء کی عورتوں کے تصور اور عملی جدوجہد کے حوالے سے سامنے آئے ہیں۔

یہ کتاب ساؤتھ ایشیاء پیس سٹڈیز کے سلسلے کا ایک جزو ہے۔ شروع سے ہی ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہم مختلف زاویے بناتی ہوئی امن کی کثیر جہتی شکلوں کو سامنے لے آئیں۔ ہمارے مباحثے کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ امن محض جنگ کی ہی متضاد یا مثبت/منفی شکل نہیں ہے۔ جنوبی ایشیاء کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے جوابات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ امن سے مراد محض تشدد کی لہر کا اختتام ہی نہیں ہے۔ اقوام متحدہ (UN) کی طرف سے خواتین کا جو عشرہ منایا گیا تھا اس کے نتیجے میں مثبت امن کی نئی اصطلاحات سامنے آئی ہیں بمقابلہ منفی امن کے جو کہ صرف جنگ کے خاتمے کا نام ہے۔ مثبت امن کا تعلق اس امر سے ہے کہ خواتین کو جن بنیادی ناہمواریوں کا سامنا ہے ان کو از سرِ نو جائزہ لے کر دور کیا جائے۔ اب دو عشروں کے بعد جنوبی ایشیاء کی خواتین کی امن کے لئے جدّ وجہد سے یہ امر واضح ہوتا جا رہا ہے۔ امن محض خرابیاں درست کرنے کا نام نہیں ہے۔ اگرچہ مثبت امن کی تعریف اکثر اوقات امن کے مردانہ مباحثوں کی نسبت زیادہ مشمول (inclusive) ہے، تاہم یہ بھی خامیوں سے مبرّا نہیں ہے۔ امن کے تجربات کو زیادہ مؤثر و مربوط شکل دینے کی کوشش کرتے ہوئے ہم نہ صرف اس کی پیچیدگی/جامعیت وغیرہ کو بلکہ امن کی سیاست کے تجربات کے تنوع اور زرخیزی کو بھی کم کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں یہ عملی تدبیر زیادہ کارگر رہے گی کہ امن کی کوئی متعین یا مخصوص تعریف کرنے کی کوشش سے ہی مکمل طور پر اجتناب کیا جائے اور جنوبی ایشیائی خواتین کے نظریات کو خود ساختہ انداز میں اجاگر ہونے دیا جائے۔

اب ہم اگلے اور ممکنہ طور پر ایک وسیع روایتی سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں: وہ یہ کہ امن کی سیاست میں خواتین کے کردار کا مطالعہ کیوں؟ کیا خواتین کے تجربات اتنے اہم ہیں کہ اس طرح کی کتاب لکھنے کا جواز پیدا کر سکیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر امن مذاکرات میں عورتوں کے شمولیت نظر کیوں نہیں آتی۔ یہ نکتہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس طرح کے سوالات ایسے

MashalBooks.org

وقت اٹھائے جا رہے ہیں جب خواتین امن کی سیاست میں اپنے کردار کی شرکت کی خواہاں ہیں کیونکہ اگر خواتین جنگی سیاست کے میدان میں قدم رکھتی ہیں تو انہیں ہمیشہ یہ کہہ کر دھتکار دیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق سیاست کے ''نرم تر'' شعبے سے ہے۔ چنانچہ خواتین کے لئے جنگ یا امن دونوں میں سے کسی بھی ایک شعبے میں قدم جمانا آسان نہیں ہے۔

تاہم اب یہ امر کوئی راز نہیں رہا کہ مرد اور خواتین دونوں ہی منظّم تشدد کی پُر زور و مساوی حمایت کرنے لگے ہیں۔ برسوں پہلے جین ایڈمز نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ اس عقیدے کا کوئی جواز نہیں دیا جا سکتا عورت محض اس لیے جنگ کی مخالف ہے کیونکہ وہ مرد نہیں ہے۔ ہر ملک میں ابھی بھی عورتوں کی ایسی وسیع تعداد موجود ہے جو یہ یقین رکھتی ہے کہ جنگ ناگزیر اور برحق ہے، اور جب ان کے بیٹے فوج میں بھرتی ہوتے ہیں تو انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ ممکنہ طور پر عظیم ترین قومی فریضہ سرانجام دے رہے ہوں اس کے باوجود، خواتین کو جنگ سے شاید ہی کوئی خاص فائدہ حاصل ہوا ہو۔ درحقیقت انہیں روایتی طور پر ریاستی طاقت کے اہم مراکز سے ہی اس بناء پر دور رکھا جاتا رہا ہے کہ وہ واضح طور پر وہ جنگ میں اپنی جانیں قربان کرنے کے ''عظیم الشان مقصد'' کی پیروی نہیں کرتیں۔ خواتین سماجی سائنسدانوں اور عملی کارکنوں نے اس راز یا اسرار سے بھی پردہ اُٹھا دیا ہے۔ بنگلہ دیش، بوسنیا، روانڈا، سوڈان ہر جگہ یہی کچھ دکھایا گیا ہے کہ یہ عورتوں کے جسم ہی ہیں جو میدانِ جنگ کا کردار ادا کرتے ہیں اس کے باوجود یہ بھی ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ امن اور جنگ دونوں کے حوالے سے فیصلہ سازی کے عمل میں عورتوں کو شاذ و نادر ہی شریک کیا جاتا ہے اور اسی بناء پر ان سے محض یہی توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ طاقت ور حلقوں کے احکام کے آگے سر خم کر دیں۔ پھر وہ کونسے عوامل ہیں جن کی بناء پر خواتین کو جنگ یا امن سے وابستہ کیا جا سکے؟ جنگ کے ساتھ عورتوں کی وابستگی کے برعکس امن کے ساتھ ان کی وابستگی کوئی بالکل ہی نئی بات نہیں ہے۔ گاندی اور بہت سے دیگر فلسفی حضرات کو محبت، خدمت اور اخلاقی طاقت جیسی نام نہاد نسوانی خصوصیات کے اندر ایک ایسے دور میں امن کی امید نظر آئی ہے، جس میں بہت سی جنگیں لڑی جا رہی ہیں۔ اگرچہ خواتین دانش وراس امر سے اتفاق کرتی ہیں کہ عورتوں کا امن میں ایک یقینی کردار ہے، تاہم انہوں نے اس نظریے کو ایک منفرد زاویے سے پرکھا ہے۔ وہ امن کے ساتھ عورتوں کے سیدھے سادھے ربط باہمی کا تنقیدی جائزہ لیتی ہیں۔ وہ جس دوسرے پہلو یا بنیادی

نکتے کو زیرِ تنقید لاتی ہیں وہ خواتین کو محض ظلم سہنے والے فرد کی حیثیت دینے سے متعلق ہے۔ ان کے خیال میں اگرچہ امن اور جنگ سے متعلق فیصلے اکثر و بیشتر مرد رہنما ہی کرتے ہیں تاہم خواتین بھی روزمرّہ معاملات کے حوالے سے ہونے والی گفت و شنید کی وساطت سے ان فیصلوں میں برابر کی شریک ہوتی ہیں، اور یوں ان فیصلوں پر ان کا گہرا اثر و رسوخ ہوتا ہے۔ ان کی حمایت و پشت پناہی، اگرچہ دونوں صورتوں میں فیصلہ کن ہوتی ہے، تاہم پھر بھی جیسا کہ نیلوفر ڈی مل (Neloufer de mel) ہمیں یقین دلاتی ہے، شاید امن کے حوالے سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے کیونکہ خواتین جنگ کی نسبت قیامِ امن میں نمایاں تبدیلی کا حامل کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

خواتین سماجی سائنسدانوں اور امن کے لئے سرگرمِ عمل افراد کا اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ مردانگی اور نسائیت کے تصورات کسی قوم کی تعمیر و تشکیل میں فطری یا لازمی عوامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ رائے بھی ہے کہ جب ایک مرتبہ قوموں کی ساخت بن جاتی ہے تو وہ اپنی بہترین شکل میں خواتین کی سرپرستی کو فروغ دیتی ہیں اور بدترین صورت میں ان کی شخصیت کو بچگانہ پن تک ہی محدود رکھتی ہیں اور یوں ریاست کی تشکیل کے عمل میں ان کا کردار غیر مساوی شرکت کار کا ہوتا ہے۔ اس وقت یہ مفروضہ تسلیم شدہ حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ کوئی بھی قوم اپنی خواتین کو مردوں کے مساوی حیثیت نہیں دیتی۔ جنگ یا تصادم کی صورت میں ان کی یہ غیر مساوی حیثیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے خواتین ان کی قربانیوں کا تناسب کتنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو، اور یوں وہ پہلے سے بھی زیادہ خطرات کا شکار رہتی ہیں جیسا کہ انورادھا چنائے نے یہ نکتہ ظاہر کیا ہے کہ خواتین دانش وروں نے ''اس حقیقت کو اجاگر کر کے کہ دورانِ جنگ خواتین کو جنسی تشدد کا خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے، جنگی تشدد کے صنفی پہلو'' کو مزید نمایاں کر کے رکھ دیا ہے۔(Chenoy 2002:28) حال ہی میں عراق کے تجربے نے یہ امر ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ جدید جنگی حکمتِ عملیوں کے دور میں مرد بھی اب جنسی تشدد سے کسی طور محفوظ نہیں رہے کیا یہ تشدد اب اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مغلوب افراد سے اس لئے نسوانی سلوک کیا جاتا ہے تاکہ ان کے اندر اخلاقی پستی، شرمندگی اور ناقدری کا احساس اجاگر کیا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح یہودیوں کے ساتھ کیا گیا تھا تاکہ حتمی حل کا قانونی جواز پیدا کیا جا سکے؟ اس سے خواہ جو مطلب بھی اخذ کیا جائے عورتوں کو

MashalBooks.org

صدیوں سے اس سلوک کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا یہ امر حیران کن ہے کہ خواہ ان کے نظریاتی رجحانات جس طرح کے بھی ہوں، خواتین اب بڑی تعداد میں امن کی تحریکوں میں شمولیت اختیار کر رہی ہیں۔

امن کے حوالے سے خواتین کی جدوجہد کا آغاز صدیوں پہلے شروع ہو گیا تھا، شائد جنگی کارروائیوں سے وابستگی کے ساتھ ساتھ ہی۔ ہمیں ارسٹوفینی کے مشہور یونانی ڈرامے میں لئی سسٹراٹا (Lysistrata) کا ذکر ملتا ہے۔ امن کی تحریکوں میں خواتین کی فعال شمولیت کی تاریخ ابھی ذرا نیا مظہر ہے۔ بیسویں صدی کی ابتداء سے ہی خواتین کے عقائد اور امن کے مقاصد کو ایک دوسرے کے لئے ناگزیر سمجھا جاتا تھا۔ ہیگ میں جان انڈمنر نے خواتین کی ایک ایسی تنظیم تشکیل کرنے میں معاونت کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ایسی تجاویز پیش کی جائیں جن کے نتیجے میں ایک ایسا ادارہ وجود میں لایا جا سکے جو جنگ کے متبادل حکمت عملیاں فروغ دے سکے۔ چند برس کے بعد فرانسیس ولیٹرڈ نے خواتین کی ایک ایسی عالمی جمہوریہ تشکیل دینے کی بات کی تھی جس میں رنگ اور نسل کی کوئی تفریق نہ ہو۔ لہٰذا خواتین کا تصورِ امن آغاز سے ہی عالمی سطح پر دوسری قسم کی ناہمواریوں مثلاً غلامی، غربت اور نسل کی بنیاد پر پیدا ہونے والی عدمِ مساوات سے جڑا ہوا تھا۔ یہ جنوبی ایشیائی تناظر میں بھی سچائی کے عنصر کا حامل تھا۔ خواتین کی امن کے عمل میں فعال شمولیت بیسویں صدی کے آغاز سے ہی قومی آزادی کی تحریکوں میں شمولیت سے ہم آہنگ تھی جیسا کہ ویراما (Viramma) کے تاریخی واقعات کے تسلسل یا تیلنگانا کی جدوجہد آزادی میں شامل افراد کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے، یہ آزادی برطانوی راج سے نجات کے مقابلے میں کئی درجے زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔ یہ ناانصافی کی بے شمار شکلوں کے خلاف جدّوجہد کی حیثیت رکھتی تھی۔ خواتین کارکنوں کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک انصاف کے بغیر امن کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ جیسا کہ اس کتاب میں شامل بہت سے مضامین سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ روایت آج بھی جاری ہے۔ جنوبی ایشیا میں خواتین کی امن جدوجہد دراصل جبر و استبداد کی ہر شکل کے خلاف جدّوجہد ہے۔

اس کتاب میں خواتین کے ان مختلف کرداروں کی تفصیلی روئیداد بیان کی گئی ہے جو وہ جنوبی ایشیاء میں بصیرت کی حامل شخصیات اور سفیرانِ حرم کے طور پر ادا کرتی چلی آ رہی ہیں۔ گذشتہ دو جلدوں کی روایت برقرار رکھتے ہوئے اس جلد کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصے کا

علیحدہ تعارف بھی ساتھ ہی دیا گیا ہے۔ ان حصوں کے عنوانات اس طرح ہیں: تصورات و نظریات: تحریکیں اور اظہار رائے، جو کہ ان تین راستوں کی عکاسی کرتے ہیں جن پر گامزن ہو کر جنوبی ایشیاء میں خواتین کی امن سیاست اپنا کردار ادا کرتی رہی ہے۔ تصورات و نظریات کے عنوان کے تحت یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ امن کی خواہش خواتین میں محض کسی مخصوص نظریے سے وابستگی کی بناء پر ہی جنم نہیں لیتی بلکہ ایک حکمتِ عملی کے طور پر یہ تسلسل سے پروان چڑھ رہی ہے۔ اگلے حصے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ تحریکوں بلکہ عملی جدوجہد کے نتیجے میں امن کی سیاست کس طرح فروغ پاتی ہے۔ تیسرے حصے میں اس نکتے کو نمایاں کیا گیا ہے کہ امن کی سیاست میں خواتین کے کردار سے آ گاہی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خواتین کے خیالات و نظریات کو پُر خلوص توجہ سے نوازا جائے۔ مجموعی طور پر اس کتاب میں اس نکتے کو اجاگر کیا گیا ہے کہ امن کا تصور جنوبی ایشیاء میں خواتین کے لئے محض جنگ سے ماخوذ (Derivative) یا اس کے برعکس صورتحال نہیں ہے بلکہ یہ دراصل ان خواتین کی عکاسی کرتا ہے کہ اس جبر و استبداد کا خاتمہ کیا جائے جو کہ کسی مخصوص سماجی طبقے، نسل یا صنف تک محدود نہیں ہے۔ کاملہؔ کی طرح کی خواتین ذات پات اور سماجی / اقتصادی درجہ بندی پر مبنی نظام کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور صنف کا عنصر جبر و استبداد کے اس پورے ذیلی سلسلے کی محض ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر ایسی غیر معروف خواتین کی داستان بیان کی گئی ہے جو کہ چند مخصوص طریقوں سے امن اور انصاف کے لئے خواتین کی نہ ختم ہونے والی خواہش کی علامت بن کر سامنے آتی ہیں۔

اس کتاب میں جنوبی ایشیائی خواتین کی طرف سے امن کے لئے زیادہ منظم و مربوط گفت و شنید یا مکالمے کی عملی کوششوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس میں بعض ماؤں کی طرف سے چلائی گئی ان تحریکوں کا تفصیلی تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو کہ آج کی دنیا کے بہت سے خطوں میں خواتین کی امن سیاست کا اہم جزو رہی ہیں۔ امن کا تصور بہت سی خواہشات اور تمناؤں کا آئینہ دار ہے اور ان میں سے ایک اہم خواہش یہ ہے کہ دنیا میں اخلاقی اقدار کے غلبے اور ساتھ ہی انسانی رشتوں کے احترام کے حوالے سے مزید بہتری لائی جائے اور ان دونوں عوامل کا امن کے لئے ماؤں کی سیاست سے قریبی ربط ہے۔ ماؤں کی تنظیمیں یا انجمنیں جنوبی ایشیاء میں امن کے قیام کے لئے کام کرنے والے نسوانی کرداروں کا مخصوص مثالی نمونہ بن کر سامنے آتی ہیں۔ سری لنکا کی خانہ جنگی میں ماؤں

MashalBooks.org

کی مختلف ادوار میں کم از کم چار عدد تنظیمیں منظرِ عام پر آئیں حتیٰ کہ بھارتی تناظر میں بھی دو عدد تنظیمیں ناگامداز اور میرا پیبیر (Maira Paibis) وجود میں آئی ہیں جن کا امن کی تحریکوں میں نمایاں کردار رہا ہے۔ جنوبی ایشیاء میں ماؤں کی تنظیمیں زیادہ تر 1980ء کی دہائی میں منظر عام پر آئی تھیں۔ یہ اس دور کے متعلقہ معاشروں میں تشدد کی طویل لہروں کے خلاف بے ساختہ طور پر کئے جانے والے امن مظاہروں کے نتیجے میں تشکیل پائی تھیں۔ خواتین کی ان تنظیموں میں سے کوئی ایک بھی امن کی سیاست میں دخل اندازی کے نکتۂ نظر سے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ یہ اپنے طور پر خود ہی اپنی جگہ بنانے کی اہلیت رکھتی تھیں۔ بہت سے حلقے امن کے لئے ماؤں کی تحریکوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور امن کے لئے رسمی درخواستوں کے نتیجے میں جو کہ ناگزیر طور پر منفی بنیادوں پر کی گئی ہیں، پیدا ہونے والی بندشتوں یا رکاوٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تاہم اس حقیقت کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ جنگ کا میدان مردوں کا میدان ہے۔ عورتوں کے لئے اس میدان میں داخلہ اکثر ناممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا عورتوں کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ ماؤں کے طور پر ہی اس میدان میں داخل ہوسکیں۔ جنوبی ایشیاء میں اس کردار کی بناء پر ہی عورتوں کو امن کے حوالے سے اظہار خیال کرنے کا کچھ اختیار دیا گیا ہے، خاص طور پر انتہائی جارحانہ قسم کی صورتحال میں یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ شمال مشرقی بھارت اور سری لنکا، جہاں خواتین نے بڑی کامیابی سے امن کے لئے ماؤں کی منظم تحریکیں چلائی ہیں۔ دو ایسے خطّے ہیں جہاں خواتین نے جنگ بندی کے مذاکرات ہیں جو کہ اکثر اوقات مردوں کا شعبہ تصور کئے جاتے ہیں، بڑی کامیابی سے حصہ لیا ہے۔ اگرچہ اس طرح سے خواتین کو مذاکرات پر خاطر خواہ طریقے سے اثر انداز ہونے کا حق تو نہیں مل گیا تھا مگر انھوں نے کم از کم اپنی رائے کے اظہار کے حق کو ضرور سراہا۔ ان احتجاجی مظاہروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امن کے لئے خواتین کی طرف سے کی جانے والی کوششیں اتنی مؤثر ضرور ثابت ہوسکتی ہیں کہ وہ روایتی معاشروں میں بھی عورتوں کی صورتحال کو تبدیل کر کے رکھ سکتی ہیں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں معاشرہ اس حد تک جمہوری ضرور ہوگیا ہے جس حد تک جمہوریت کو سماجی انصاف کے مساوی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں جنوبی ایشیاء میں امن کی سیاست کے حوالے سے خواتین کے کثیر جہتی کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک ناگزیز سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ آیا خواتین نے جنوبی ایشیاء میں

قیام امن کے حوالے سے کسی نئے پہلو کا اضافہ کیا ہے؟ شمال مشرقی بھارت اور سری لنکا کے تجربات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کا دعویٰ اپنے اندر وزن رکھتا ہے۔ قیام امن کے لئے عورتوں کی جدوجہد سے ثابت ہوتا ہے کہ امن کے لئے کامیاب تحریک کا استحکام اس امر سے مشروط ہے کہ خواتین مختلف طبقات کے مابین اتحاد کے لئے عملی کوششیں جاری رکھیں۔ ماڑی پور میں میراپیبز (Meira Paibis) کی طرف سے انسانی حقوق کی 32 عدد دیگر تنظیموں کے ساتھ مل کراپونبالپ(Apunba Lup) کی تشکیل کی گئی۔ کم ازکم شمال مشرقی بھارت کی مثال میں خواتین کا یہ یقین نہیں ہے کہ وہ اکیلی کام کر سکتی ہیں یا یہ کہ وہ یہ سمجھتی ہوں کہ امن صرف ان کے لئے کارآمد ہے۔ سری لنکا میں بھی، جیسا کہ ساروتھرا اپتھی اور نریکھاڈی سلوا کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے عورتوں کی بہت سی تنظیمیں پورے زوروشور کے ساتھ امن کے حق میں سامنے آ گئی ہیں۔ یہ عقیدہ بھی پختہ شکل اختیار کر چکا ہے کہ جنوبی ایشیاء میں خواتین کی امن تحریکیں انصاف کا وسیلہ یا منبع ہیں جیسا کہ سنتھیا کاک برن ہمیں یقین دلاتی ہے، ایسی وجہ ہے کہ خواتین کی تحریکوں میں نسوانی عنصر پایا جاتا ہے اور یوں وہ تبدیلی کی غماز ہیں۔ یہ کتاب یا مجموعہ مضامین نہ صرف امن کی سمت میں خواتین کی طرف سے ادا کئے گئے مختلف منفی کرداروں کی خاکہ کشی کرتا ہے بلکہ بہت سے سوالات کو بھی جنم دیتا ہے: کیا خواتین کے پاس ایسے عملی تجربات ہیں جو انہیں امن کی تحریکوں کا مناسب علمبردار بنا سکیں؟ نچلی سطح پر قیام امن کے حوالے سے خواتین کے انتہائی متنوع تجربات کو منظرِ عام پر لا کر ہم اس سوال کا جواب پانے کی امید رکھ سکتے ہیں۔ اپنے عملی تجربات کی بناء پر خواتین کے پاس ایسا علم موجود ہو سکتا ہے جسے اجتماعی سطح پر بروئے کار لا کر فوج یا جنگ مخالف پالیسی یا نظریات کو مزید فروغ دیا جا سکتا ہے۔ تاہم ہمارے لئے مزید اہمیت اس امر کی ہے کہ یہ واحد یا اکلوتا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعے خواتین امن یا قیام امن کی سیاست کا رخ متعین کر سکیں۔ خواتین کے لئے امن تحریک کا آغاز ان کی اس صلاحیت کو منوانے کی جدوجہد کے ساتھ شروع ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی رائے کا اظہار کرنے اور عدم مساوات اور جبر کی تمام شکلوں کے خلاف سر اٹھانے کے عمل میں پیش پیش رہنے کا مظاہرہ کر سکیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خواتین ہمیشہ انصاف کی طرفدار ہوتی ہیں یا یہ کہ وہ نسل کشی کے عمل میں حصہ نہیں لیتیں، جیسا کہ گجرات کی مثال میں ہوا تھا۔ تاہم مقام شکر یہ ہے کہ عورتوں کی کسی تنظیم نے اسے امن کے

MashalBooks.org

مترادف قرار نہیں دیا۔ اب یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ خواتین جنوبی ایشیاء میں قیامِ امن کے حوالے سے کتنا کامیاب کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ جنوبی ایشیائی خطّہ عالمی سطح پر انتہائی تصادم کی صورتحال کا رجحان رکھنے والے خطوں میں سے ایک خطے کے طور پر سامنے آیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں امن کے لائحہ عمل کی طرف اتنی توجہ نہیں دی گئی جتنی کہ دی جانی چاہئے تھی۔ نسوانیت اور قوم پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے کماری جے وردھنا لکھتی ہے کہ خواتین کی تحریکیں خلاء میں تشکیل نہیں پاتیں بلکہ ایسی وسیع تر سماجی تحریکوں کے متوازی پروان چڑھتی ہیں جن کا وہ جزو ہوتی ہیں۔ شمال مشرقی بھارت میں خواتین کی امن تحریکوں کے حوالے سے لکھتے ہوئے میں نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ یہ تحریکیں بھی اپنی سماجی حقیقتوں سے کٹ کر سامنے نہیں آتیں اور اکثر اوقات اپنے معاشرے کے اندر چلنے والی انسانی حقوق کی اور سماجی تنظیموں کی تحریکوں کے ساتھ جڑی ہوتی یا ان کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں تاہم جنوبی ایشیاء میں امن کے لئے عورتوں کی جدوجہد کو بمشکل ہی سنجیدگی سے لیا جاتا ہے۔ دفاعی امور پر نظر رکھنے والے ماہرین خواتین کی امن سرگرمیوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور یہ شعور نہیں رکھتے کہ عورتوں کی یہ سرگرمیاں سماجی انصاف کے حوالے سے کتنی مؤثر تبدیلیاں لاسکتی ہیں۔

یہ سچ ہے کہ وسیع تر سماجی تحریکیں اکثر اوقات خواتین کی پیش قدمیوں کا تعین کرتی ہیں، تاہم خواتین یہیں پر ہی نہیں رک جاتیں نہ ہی معاشرے کی عائد کردہ پابندیوں کو قبول کرتی ہیں۔ وہ ہر مرحلے پر رسوم و رواج کی خامیوں اور نقائص کی نشاندہی کرتی ہیں۔ جیسا کہ کتاب میں شامل مضامین میں واضح کیا گیا ہے، ان کی سرگرمیاں جواباً وسیع تر سماجی تحریکوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان میں عزت کے نام پر قتل کے خلاف یا پھر بھارت میں آرمڈ فورسز سپیشل پاورز ایکٹ کے خلاف ان کی احتجاجی تحریکیں جنہوں نے انصاف کے لئے اٹھنے والی بڑے پیمانے کی تحریکوں پر اثرات مرتب کئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح سے خواتین امن تحریکوں میں تبدیلی کے کرداروں کی علامت بن کر ابھری ہیں نہ کہ محض ان تحریکوں کی ادنیٰ کارکن بننے پر قناعت کرتی رہی ہیں۔ تاہم یہاں ہم صرف غیر معمولی خواتین کی زندگی کے واقعات کے تذکروں تک ہی محدود نہیں رہنا چاہتے خواہ ان کا مطالعہ کتنا ہی ضروری اور اہم نظر آتا ہو۔ یہاں ہمارے عزائم یا امنگیں، محدود تر ہیں اور اگر یہ کتاب قارئین کو اس نکتے کا قائل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ جب

MashalBooks.org